"قرآنِ عظیم کی زبان"

مرسلہ: ڈاکٹر شبیر بہادر خاں پنی

"حکمتِ قرآن" مئی ۱۹۸۴ء کی اشاعت میں مضمون عنوان بالا سے از قلم جناب خورشید صاحب (ہوسٹن۔ امریکہ) کا پڑھ کر خوشی ہوئی کہ امریکہ کے ایک باسی کے اہلِ قلم سے ایسا فکر انگیز اور پُر از تاثیر مقالہ شائع ہوا۔ یہ جان کر مزید خوشی ہوئی کہ ابھی اس مضمون کی مزید قسط آنے والی ہے۔

میرے دل میں بھی خواہش پیدا ہوئی کہ "قرآن عظیم کی زبان" عربی مبین پر عالمی و عبقری علماء اسلام کی نگارشات کے اقتباسات قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لیے ارسال کروں۔

۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم و مغفور سورۃ الانبیاء کے آخری نوٹ (ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۴۸۴) پر حضرت ایوبؑ کے زمانہ کی تحقیق کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

"غالباً معلوم ہو گیا کہ عربی علم و ادب کی تاریخ اس عہد (یعنی حضرت ابراہیم کے عہد) سے بہت پہلے شروع ہو جاتی ہے جو عہد عام طور پر سمجھ لیا گیا تھا کیونکہ اگر حضرت موسیٰؑ سے پہلے سفرِ ایوبؑ جیسی نظم عربی میں لکھی جا سکتی تھی تو یقیناً عبرانی علم و ادب کی نشوونما سے صدہا سال پہلے عربی علم پوری طرح ترقی یافتہ ہو چکا تھا۔ بلاشبہ سفرِ ایوبؑ کی عربی وہ عربی نہ ہو گی جو نزولِ قرآن کے وقت بولی جاتی تھی۔ یقیناً عربی کی کوئی ابتدائی شکل ہو گی جس کی اخوات، ہمیں آرامی، کلدانی اور آشوری کتبات کے الفاظ و اسماء میں نظر آ رہی ہیں۔ اور قدیم مصری بھی اس کی جھلک سے خالی نہیں تاہم وہ عربی زبان ہی ہو گی اور اسی عربی نے موجودہ عربی کے تمام عناصر و مواد بہم پہنچائے ہوں گے۔ اصل یہ ہے کہ عہد جاہلیت کی عربی اگرچہ صحرائیوں کی زبان تھی لیکن زبان کی نوعیت بول رہی ہے کہ یہ صحرائی قبائل کی پروردہ نہیں ہو سکتی۔ اتنی وسیع، اتنی ہمہ گیر، اتنی دقیقہ سنج اس درجہ متمول زبان ضروری ہے کہ صدیوں کی متوارث و مسلسل ادبی زندگی سے ظہور پذیر ہوئی ہے۔ جو زبان قرآن کے معانی و حقائق کی متحمل ہو گئی۔ کیونکر ممکن ہے کہ اسے غیر متمدن قبائل کی ایک بدوی زبان تسلیم کر لیا جائے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جس عربی میں امرؤالقیس نے اشعار کہے، اس عربی کی لغوی تاریخ اس سے بہت زیادہ قدیم اور بہت زیادہ

© rasailojaraid.com

متمدن ہونی چاہیئے جتنی اس وقت سمجھی گئی۔

گزشتہ صدی تک عربی کی لغوی تاریخ کا یہ مسئلہ ایک لاینحل مسئلہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اب اثری تحقیقات کے آخری مواد نے بحث و تعلیل کا ایک نیا میدان پیدا کر دیا ہے اور عربی نسل اور عربی زبان کی تاریخ بالکل ایک نئی شکل میں نمودار ہو رہی ہے۔ یہ زبان جس کی بزرگی وخلود کی آخری مہر قرآن نے لگائی، دراصل نشو ونما کے اتنے مرحلوں سے گزر چکی ہے کہ دنیا کی کوئی زبان بھی اس وصف میں اس کی شریک نہیں۔ سمیری اور اکادی اقوام کا تمدن، نینوا اور اور بابل کی علمی کامرانیاں، قدیم مصری لغات کا ثمرانی سرمایہ، آرامی زبان کا عروج و احاطہ، کلدانی وسریانی کا ادبی تمول دراصل ایک ہی زبان کی لغوی تشکیل و تکمیل کے مختلف مرحلے تھے۔ اور اس نے آگے چل کر چوتھی صدی قم کی عربی کا لباس اختیار کیا۔ جو زبان تضارۂ و تمدن کی اتنی بھٹیوں میں سے پک کر نکلی ہو ظاہر ہے کہ اس کے اسماء و مصادر کسی مفلس اور خام زبان کے اسماء و مصادر نہیں ہو سکتے۔ علاوہ بریں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قرآن کا عربی زبان میں نازل ہونا اور جا بجا اس بات پر زور دینا کہ" اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا" (۱۲-۲) ہم نے قرآن کسی اور زبان میں نازل نہیں کیا عربی میں نازل کیا، صرف اتنے ہی معنی نہیں رکھتا جس قدر اس وقت تک سمجھے گئے ہیں۔ بلکہ ایک بہت زیادہ وسیع اور گہری حقیقت اس میں مضمر ہے۔ تفصیل اس مقام کی مقدمہ میں ملے گی"

مگر افسوس مولانا مرحوم کی یہ کتاب مقدمۂ تفسیر (باوجود مسودہ تیار ہونے کے، آپ کی وفات کے بعد ضائع ہو گئی) اور شائع نہ ہو سکی اور سے آں قدح بشکست وآں ساقی نماند، والا معاملہ پیش آگیا۔

۲ مولانا عبدہٗ مصری تفسیر "المنار" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

"قرآن کی مقناطیسی کشش کس طرح عربوں کو اسلام کی طرف کھینچ کر لاتی تھی۔ یہ صرف ان کے فہم کی باریکی اور لطافت تھی جو ان کو حق کی طرف کھینچنے کا باعث تھی"

اس سلسلہ میں وہ ایک اعرابی دوشیزہ کے واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس نے اپنی ذہانت سے آگے آنے والی آیات کے متعلق یہ معلوم کر لیا تھا کہ یہ آیت، دو امر، دو نہی اور دو بشارتوں پر مشتمل ہے۔

اصمعی جو عربی لغت و ادب کا ماہر اور امام ہے کہتا ہے کہ میں نے ایک بدوی دوشیزہ کی زبان سے یہ اشعار سنے۔

© rasailojaraid.com

استغفر اللہ لذنبی کلہ (ترجمہ) میں اپنے اللہ سے اپنے سارے گناہوں کی بخشش طلب کرتی ہوں
قتلت انساناً لغیر حلہ (ترجمہ) میں نے ایک انسان کو ناحق قتل کر دیا۔
مثل غزال ناعم فی دلہ (ترجمہ) اس آہو کی طرح جو اپنے ناز و ادا میں پوری نزاکت رکھتی ہے۔
وانتصف اللیل ولم اصلہ (ترجمہ) رات آدھی ہو چکی اور میں نے ابھی اس رات کی نماز نہیں پڑھی
میں نے یہ سن کر اس سے کہا کہ تیرے اشعار کس قدر بلیغ اور اونچے ہیں۔
دوشیزہ نے جواب دیا تمہارا بھلا ہو۔ کیا تم ان اشعار کو اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مقابلے میں فصیح شمار کرتے ہو۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْہِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْہِ فَاَلْقِیْہِ فِی الْیَمِّ
وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْہُ اِلَیْکِ وَجَاعِلُوْہُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ہ

(ترجمہ) ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ اس کو دودھ پلاتی جاؤ۔ جب تمہیں اس کے متعلق خوف پیدا ہو۔ تو اس کو دریا میں ڈال دو۔ نہ خوف کھاؤ نہ غم۔ ہم یقیناً اس کو تمہارے پاس لے آئیں گے۔ اور اس کو نبی بنائیں گے۔

مقامِ غور ہے کہ ایک ہی آیت میں دو امر، دو نہی اور دو بشارتیں جمع کر دی گئی ہیں۔ اسی ذوق قرآنی سے ہم اعجاز قرآن کی سرحد تک پہنچ سکتے ہیں۔ اسلام کی بقاء، قرآن کی حفاظت کے بغیر ممکن نہیں۔ (اقتباس از "معارف" دار المصنفین۔ اعظم گڑھ۔ جولائی ۱۹۵۶ء)

۳ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم "تفہیم القرآن" جلد ۵ صفحہ ۷۵ پر زیر عنوان "عربی زبان اور قرآن" تحریر فرماتے ہیں۔

یہ کتاب (قرآن) عربی زبان کو اس طرح پکڑ کر بیٹھ گئی ہے کہ ۱۴ صدیاں گزر جانے پر بھی اس کی زبان کا معیارِ فصاحت وہی ہے جو اس کتاب نے قائم کر دیا تھا۔ حالانکہ اتنی مدت میں زبانیں بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جو اتنی طویل مدت تک املاء، انشاء، محاورے، قواعد زبان اور استعمالِ الفاظ میں ایک ہی شان پر باقی رہ گئی ہو۔ لیکن یہ صرف قرآن ہی کی طاقت ہے۔ جس نے عربی زبان کو اپنے مقام سے ہلنے نہیں دیا۔ اس کا ایک لفظ بھی آج تک متروک نہیں ہوا۔ اس کا محاورہ آج تک عربی ادب میں مستعمل ہے۔ اس کا ادب آج بھی عربی کا معیاری ادب ہے۔ تحریر میں آج بھی فصیح زبان وہی مانی جاتی ہے جو ۱۴ سو برس پہلے قرآن میں استعمال ہوئی تھی۔ کیا دنیا کی کسی زبان میں کوئی انسانی تصنیف اس شان کی ہے"؟

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com